مسلم معاشرہ پر سیکولرازم کے اثرات اور نتائج: تحقیقی مطالعہ

Effects and Consequences of Secularism on Muslim Society: An Exploratory Study

Abdul Qayyum
Assistant Professor, Department of Islamic Studies

Abstract:

The article entitled "The impact of Secularism on Muslim Society" principally deals with the definition and comparison of secularism and Islam. The researcher looks deeply into the definitions and their applications in both the societies.

Secularism is defined as the worldly spirit, views or the like a system of doctrine and practices that disregards or rejects any form of religious faith and worship. On the other hand, Islam is defined as the total surrender before Allah Almighty and to accept Him the owner of all creations. He is the only Master and Omnipresent. All that is created by Him is unconditionally obey Him in soul and spirit. This concept is not found in any other system of life.

The researcher discussed in detail both the modes of definitions and their applications in secular and Muslim society. The researcher concludes that the Secular and Islamic systems are absolutely antonyms to each other both in practices and ideology.

Key Words: Secularism, Impact, Vastness of Islam

اسلام دنیا کے سامنے ایک دستور حیات رکھتا ہے جس میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام تر مسائل کا حل اور نجات منحصر ہے۔ جو شخص انفرادی طور پر اسلام کے اصولوں کو اپناتا ہے اور جو معاشرہ اجتماعی سطح پر اسلام پر عمل کرتا ہے اس کے لیے دنیا اور آخرت میں کامیابی مقدر کر دی جاتی ہے ۔ اسلام کو سمجھنے کے لیے یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ اسلام دیگر مذاہب کی طرح چند رسومات و اعتقادات ہی کا مجموعہ ہے یا مکمل نظام حیات کا حامل ہے جو کہ عقائد و عبادات اور رسومات کے ساتھ ساتھ سماجی، اقتصادی، سیاسی اور بین الاقوامی معاملات تک اپنے ماننے والوں کو نہ صرف مکمل رہنمائی فراہم کرتا ہے بلکہ غیر مشروط طور پر اس کا پابند بھی بناتا ہے۔ اسلام کو دیگر مذاہب کی سطح کے ہم پلہ باور کروانے کے پس منظر میں شعوری استعماری تفکّر و تدبّر کار فرما ہے جس کے نتیجے میں ہر کوئی مغالطے کا شکار ہے۔ مغربی تصور مذہب اور اسلام کے تصور مذہب میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اسلام کی تعریف:

اسلام احوال شخصی سے لے کر معیشت و سماجیات اور حکومت و ریاست سے لے کر بین الاقوامی تعلقات تک رہنمائی کرتا ہے اور اپنے ماننے والوں سے اس کی پابندی کا مطالبہ کرتا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی لکھتے ہیں:

"لادینیت سب سے زیادہ قوّت اور صراحت کے ساتھ جس چیز کی مخالفت کرتی ہے وہ اسلامی شریعت یا اسلامی ضابطہ حیات ہے، کیونکہ اسلامی شریعت احوال شخصی سے لے کر معاشرے، حکومت اور بین الاقوامی تعلقات تک تفصیلی ہدایات دیتی ہے اور اس میں سر مو انحراف کرنے سے روکتی ہے"۔[1]

اسلام کی تعریف اور وسعت ہمہ جہت اور ہمہ گیر ہے جیسا کہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ لکھتے ہیں:

"اسلام کے انقلابی فکر کو اگر ایک جملے میں بیان کیا جائے تو وہ یہ ہے کہ: دین و دنیا اور مذہب و سیاست کو یکجا کر کے ان کے مجموعے پر اللہ کی حاکمیت یعنی کتاب اللہ اور سنّت رسول ﷺ کی غیر مشروط اور بلا استثناء بالادستی قائم کرنے کی جدوجہد میں تن من دھن کے ساتھ حصہ لیا جائے تاکہ دین حق کے غلبے کی صورت میں وہ نظام عدل اجتماعی قائم ہو جائے جو انسانی حریّت، اخوّت اور مساوات کے معتدل اور متوازن مجموعے کی حیثیت سے خلق کے لئے خالق کی رحمت و ربوبیت اور عدل و قسط کا جامع اور کامل مظہر بن جائے۔"[2]

گویا اسلام انفرادی زندگی کے بنیادی گوشوں یعنی عقائد، عبادات اور رسومات اور اجتماعیات انسانیہ کے اہم گوشوں یعنی معاشرت، معیشت اور سیاست جسے جدید سیاسیات میں The Politico ,Socio & Economic System یا State Craft کہا جاتا ہے، پر قرآن و سنت کی غیر مشروط بالادستی کا نام ہے۔

اسلام کا بنیادی نظریہ، نظریہ توحید ہے جو کہ مذکورہ بالا حیات انسانی کے تمام گوشوں میں منعکس ہوتا ہے جیسا کہ

"The Hundred" کے مصنف ڈاکٹر مائیکل ہارٹ نے لکھا:

''My choice of Muhammad to lead the list of the world's most influential persons may surprise some readers and may be questioned by others , but He was the only man in history Who was supremely successful on both the religious and secular levels.[3]''

گویا ڈاکٹر مائیکل ہارٹ حیات انسانی کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے یعنی انفرادی اور اجتماعی زندگی۔ اسی تعریف و توصیف کی آڑ میں مغربی ذہن نے دنیا و آخرت اور ریاست و مذہب کی تقسیم و تفریق جیسا کہ ان کے ہاں ہے اہل اسلام کے دل و دماغ میں آہستہ آہستہ راسخ کرنے کی شعوری کوشش کی ہے اور اس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی ہیں۔ یہیں سے اس ساری کوشش کا عنوان العلمانیہ یا سیکولرازم بنتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ یہاں سیکولرازم کا تعارف ذکر کیا جائے اور پھر مسلم معاشرہ پر اس کے اثرات اور نتائج کا ذکر کیا جائے۔

1. سیکولرازم، تعریف اور وسعت

لغوی اعتبار سے سیکولرازم کی تعریف اس طرح ہے۔

(A)1. worldly spirit, views or the like, esp. a system of doctrine and practices that disregards or rejects any form of religious faith and worship.

2. The belief that religion and ecclesiastical affairs should not enter into the functions of state, esp., into public education.[4]

(B)1. Concerned with the affairs of the world not spiritual or sacred.

2. (Of education etc.) not concerned with religions or religious belief-

3. a not ecclesiastical or monastic b. (of clergy) not bound by a religious rule .

4. Occurring ones in an age or century .n. a secular priest (from Latin Saecularis)[5]-

آج کی دنیا قطع نظر مسلم وغیر مسلم کے ،لاشعوری یا شعوری طور پر جس نظام ، دین یا سسٹم پر کاربند ہے اسے سیکولرازم (Secularism) کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس کی مذکورہ بالا لغوی تعریف سے ظاہر ہے۔

یہ نظام آج پوری دنیا پر مسلط ہے۔ اور اس کے پاس انفرادی زندگی کے لیے تعلیمات نہیں ہیں۔ یعنی اس کا کوئی عقیدہ، عبادات یا رسومات نہیں بلکہ یہ تمام عقیدوں کو قبول کرتا ہے اور سب کو اجازت دیتا ہے کہ جس طرح چاہیں انفرادی زندگی میں معاملات کو یکسو کریں۔ چاہے ایک خدا کو مانیں۔ چاہے تین کو یا چاہے کئی خداؤں کو مانیں۔ مسجد جائیں، نمازیں پڑھیں، روزانہ روزے رکھیں، مندر یا چرچ جائیں یا چرچ خرید کر مسجد بنالیں الغرض سیکولرازم انفرادی معاملات میں مکمل آزادی دیتا ہے۔ سیکولرازم کے تحت افراد انفرادی زندگی میں مختلف عقائد اور مذاہب کو اختیار کر سکتے ہیں، لیکن اجتماعی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کو سند یا راہنمائی کا ذریعہ نہیں بنا سکتے۔ گویا سیکولرازم لادینیت نہیں، یہ خود ایک دین ہے اور اسے ہمہ مذہبیت کہنا ہی صحیح ہے۔ دین کے کیا معنی ہیں؟ ذیل میں اس پر بھی چند سطور امر ناگزیر کے طور ملاحظہ ہوں۔

لفظ دین کو دیکھیے کہ کتاب اللہ میں یہ کن معنوں میں استعمال ہوا ہے۔" **مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ" (الفاتحہ:3)** بدلے کے دن کا مالک ہے۔ بدلہ، سزا و جزا دینے کے لیے ضابطہ یا دستور و قانون ہونا شرط ہے۔ لہذا بدلہ یا جزا و سزا سے منسلک قانون کا لفظ ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم اس لفظ کو قانون یا دستور کے معنوں میں بھی استعمال کرتا ہے۔

" مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ" - (یوسف:76)

"وہ یعنی یوسف علیہ السلام بادشاہ کے قانون کے سوا اپنے بھائی کو نہیں لے سکتے تھے"۔ یہاں دین قانون کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اور کوئی بھی دستور یا قانون اس وقت تک قانون نہیں بن سکتا جب تک کہ اسے کسی نظام کے ساتھ نہ جوڑا جائے۔ جیسا کہ ٹریفک کے اشاروں کا قانون کہ سرخ رنگ کی بتی پر رکنا ہے اور سبز رنگ کی بتی پر چلنا ہے۔ اس قانون کو ٹریفک کا نظام سہارا دیتا ہے۔ بعینہ قانون سے ہی تصور نظام نکلتا ہے۔ قرآن حکیم لفظ قانون کو اس مفہوم و معنی میں بھی استعمال کرتا ہے۔" **وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ " (البقرة:193)** اور ان لوگوں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین (یعنی نظام) سب اللہ ہی کا ہو جائے۔

یہاں لفظ "دین" نظام کے لیے استعمال کیا گیا ہے اور نظام وہی کہلاتا ہے جس کو تسلیم کیا جائے یا اطاعت کی جائے۔ بالفاظ دیگر جس کی پیروی یا اطاعت نہ کی جائے وہ نظام کہلوانے کا مستحق نہیں ہوتا۔ جس دائرہ کار میں تمام لوگ منضبط ہوں وہ نظام کہلاتا ہے۔ بغیر اطاعت کے کوئی Theory یا نظریہ تو ہو سکتا ہے نظام نہیں۔

چنانچہ قرآن حکیم میں سورۃ الزمر میں فرمایا:" **فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ()أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ**"(الزمر:3،2) یعنی اللہ کی اطاعت کرو۔ یعنی اس کی اطاعت کو شرک سے خالص کرو۔

گویا قرآن حکیم لفظ "دین" کو قانون، راستہ، جزا و سزا، اطاعت اور نظام کے معنوں میں استعمال کرتا ہے[6]۔ ان تمام مفاہیم کو سامنے رکھا جائے تو دین کا مطلب ہو گا کہ:

"جب کسی ہستی کو قانون سازمان کر اس کے بنائے ہوئے نظام کی اس سے بدلے کی توقع میں اطاعت کی جائے تو یہ اس ہستی کا دین کہلائے گا۔"

گویا دین کے مترادف یا ہم معنی الفاظ اطاعت، بدلہ، قانون اور نظام ہیں اور ان تمام معنوں کا جامع لفظ ہے "نظام"

اور نظام ہمیشہ قانون کے سہارے چلتا ہے اور قانون وہی ہوتا ہے جس کی پیروی یعنی اطاعت کی جائے اور اطاعت میں بدلہ ہوتا ہے۔ گویا کتاب اللہ کی روشنی میں لفظ "دین" کا اردو میں "نظام" مطلب ہوگا۔ جسے انگریزی میں System کہیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب اللہ میں اسلام کو دین کہا گیا ہے۔

"إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللهِ الْإِسْلَامُ" (آل عمران :19) بے شک دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

یہیں سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اسلام دین، نظام یا System ہے تو اس کا موازنہ یا Comparison دیگر نظاموں کے ساتھ ہونا چاہئے۔ یعنی اسلام کا موازنہ دیگر مذاہب مثلاً ہندوازم، عیسائیت اور بدھ مذہب کے ساتھ صریحاً درست نہیں ہے۔ یہ تمام مذاہب صرف عقائد و رسومات تک محدود ہیں اور اجتماعی سطح پر کوئی نظام یا دین پیش نہیں کرتے اور نہ ہی وہ اس کا دعویٰ کرتے ہیں۔ بالفاظ دیگر دین اسلام کو اگر پرکھنا اور موازنہ کرنا ہو تو بالمقابل کسی نظام کا وجود لازمی ہے۔ کوئی دین ناگزیر ہے۔

تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ دنیا نے اب تک تین طرح کے نظاموں کا سامنا کیا ہے۔ کرہ ارض پر سب سے قدیم بادشاہی نظام (Imperialism) ہے۔ جسے بالفاظ قرآنی "دین الملک" کہا جاتا ہے۔ یعنی بادشاہ، ملک، سلطان یا (Dictatorship) پر مبنی نظام۔ یہ سب دین الملک کہلاتے ہیں اور اس کی تعریف یہ ہے۔

"جب کسی شخص واحد کو قانون سازمان کر اس سے بدلے کی توقع میں اس کے بنائے ہوئے نظام کی اطاعت کی جائے تو یہ دین الملک کہلاتا ہے"۔ یہ نظام معدودے چند ممالک میں آخری ہچکولے کھا رہا ہے۔ نوع انسانی نے اس نظام کے جبر و ستم اور اس کی تباہیوں سے عاجز آکر اسے مسترد کر دیا ہے۔

2. جمہوریت: (Democracy)

جمہوریت یا دین الجمہور۔ جس کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ اسے "حاکمیت عوام" کا دلفریب نام بھی دیا گیا ہے۔ شرق و غرب اور مسلم و غیر مسلم کے ہاں اسے انسانیت کی سیاسی معراج سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ عرف عام میں اس کی تعریف یوں ہے۔

"جب عوام کے منتخب نمائندوں کو قانون سازمان کر ان سے بدلے کی توقع میں ان کے بنائے ہوئے نظام کی اطاعت کی جائے تو یہ لوگوں کا دین یا دین الجمہور یا نظام الجمہور کہلائے گا۔"

جب عوام الناس اپنے نمائندوں کو منتخب کر کے اسمبلی میں پہنچاتے ہیں تو یہ پارلیمنٹ کے ممبر بن کر قانون سازی کرتے ہیں۔ تو ان نمائندوں کا بنایا ہوا قانون نظام جمہوریت کے نام سے جانا جاتا ہے۔

جبکہ جس سماج میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان قانون بن جائے اور لوگ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے قانون و دستور کی اطاعت کرتے ہوں تو وہ اللہ کا نظام، دین اور system کہلائے گا۔

گویا دین اللہ کا مطلب ہو گا: "جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو حقیقی قانون سازمان کر اس کے بنائے ہوئے نظام کی اس سے بدلے کی توقع میں اطاعت کی جائے تو یہ دین اللہ کہلائے گا۔"

دین الملک مسترد و مردود ہو چکا ہے۔ جبکہ دین الجمہور بھی اپنے نقص و عیب پر ناطق ہے۔ کیونکہ انقلاب فرانس سے لے کر آج تک یہ ارتقاء و تنزل میں معلق ہے۔ جبکہ دین اللہ یعنی اسلام کا دعویٰ ہے:

"الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا۔" (المائدہ:3)

"میں نے آج تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور اس دین اسلام سے راضی ہو گیا"۔

اس تکمیلی دعوے کا اسلام کے علاوہ کہیں اور کوئی تذکرہ نہیں ملتا ہے۔ ہر نظام انسانی زندگیوں سے متعلق بات کرتا ہے۔ اگر کسی نظام کو سمجھنا اور پرکھنا ہو اور یہ دیکھنا ہو کہ یہ نظام اپنے دعویٰ تکمیل میں سچا ہے کہ نہیں۔ تو یہ دیکھنا ناگریز ہو گا کہ اس نظام کے تحت لوگ کس طرح زندگی گزارتے ہیں۔ لہذا کسی بھی نظام کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم انسانی سماج کے تمام پہلوؤں پر غور و فکر کریں اور تمام گوشوں میں سمجھیں اور پھر دیکھیں کہ کیا اسلام زندگی کے تمام گوشوں میں فرد کی رہنمائی اور حقوق کا محافظ ہے کہ نہیں؟ اسلام کی تعلیمات کیا ہیں؟ اور اس کی وسعت کیا ہے تاکہ اس کے تناظر میں مسلم معاشرے پر سیکولرازم کے اثرات کا جائزہ لینا ممکن ہو۔ آیئے اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔

اسلام کی وسعت:

1۔ عقیدہ: یعنی ایمان باللہ ، ایمان بالرسالت ، ایمان بالاخرۃ، ایمان بالکتب وملٰئکہ ۔

2۔ عبادات: اسی طرح عبادات میں بھی کامل رہنمائی اسلام کا طرہ امتیاز ہے۔ اور وہ نماز، روزہ، زکوۃ اور حج ہیں

3۔ رسومات: سماجی سطح پر اسلام خوشی ہو یا غمی ہر سطح پر کامل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ پیدائش سے وفات تک ہر قدم پر رہنمائی دی گئی ہے

جبکہ سیکولرازم میں انفرادی زندگی کے لیے کوئی تعلیمات نہیں ہیں۔

4۔ معاشرتی یا سماجی نظام: اس سطح پر اسلام کامل مساوات انسانی کا قائل ہے۔ اسلام عالمی اخوت کا درس دیتا ہے۔ اور سیاہ و سفید اور عربی و عجمی کی تفریق کو مٹاتا ہے۔ یعنی نہ مال و زر کی بنیاد پر کوئی چھوٹا یا بڑا ہے اور نہ ہی رنگ و نسل اور حسب و نسب اور علاقے کی بنیاد پر کوئی اعلیٰ اور ادنی ہے۔ سیکولرازم سماجی سطح پر مکمل آزادی کا علمبردار ہے جبکہ اسلام بھی آزادی دیتا ہے لیکن اسے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے تابع کرتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

"مومن کی مثال اس گھوڑے کی ہے جو ایک کھونٹے سے بندھا ہوتا ہے۔پس جس قدر اس کی رسی دراز ہے۔وہ آزاد ہے جہاں سے بھی گھاس چرلے"۔(بحوالہ:مسند احمد)

یعنی محدود آزادی اور مکمل مساوات اسلام کا شعار ہے۔

5۔اقتصادی نظام: کیمونزم کے ہاں محدود حق ملکیت دیا گیا جبکہ سرمایہ دارارانہ نظام میں مکمل حق ملکیت کا دعویٰ ہے۔جبکہ اسلام ملکیت کی نفی کرتا ہے اور امانت کا تصوّر دیتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ‘‘(البقرۃ:284)

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمینوں میں سب اللہ ہی کا ہے۔گویا اسلام ملکیت کی جگہ امانت کا تصور پیش کرتا ہے۔دنیا کی ہر شے انسان کو محدود مدت کے لیے امانتاًدی گئی ہے۔حتیٰ کہ زندگی بھی اور یہ سب جانتے ہیں۔

" إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ-(البقرۃ:156)

’’ہم اللہ تعالیٰ ہی کا مال ہیں اور اسی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔‘‘

اسی طرح انسان جو کچھ کماتا ہے۔اسے اللہ تعالیٰ کا فضل کہا گیا ہے۔’’**فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ**‘‘ (الجمعۃ:10)۔سو جب نماز ادا کی جاچکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل میں سے تلاش کرو۔

پس انسان ایک امانت دار اور اللہ تعالیٰ مالک ہے۔اسلام اسراف وفضول خرچی سے منع کرتا ہے اور موضع ضرورت میں بخل سے روکتا ہے۔اس تصور سے وہ انقلاب وجود میں آتا ہے کہ دولت مند ضرورت مند کو تلاش کرتا پھرتا ہے کیونکہ وہ اسے امانت سمجھتا ہے۔فضول خرچی سماجی برائی بن جاتی ہے اور معاشرے سے امیر وغریب کا فرق مٹ جاتا ہے۔اور دلوں میں نفرت وعداوت کی جگہ ایک دوسرے کی محبت جنم لیتی ہے۔

اسی طرح اسلام سرمایہ داری کی نفی کرتا ہے اور سرمایہ کاری کی حمایت کرتا ہے اگر کوئی شخص ضرورت مند کو سرمایہ دیتا ہے اور ضرورت مند محنت کرتا ہے تو فائدہ دونوں افراد کو ہوتا ہے۔دولت کسی ایک ہاتھ میں نہیں رہتی اور سرمایہ معاشرے میں گردش کرتا ہے۔جس سے خوشحالی عام ہو جاتی ہے ۔اسلام مال کی تقسیم اور گردش زر کا قائل ہے لہذا اسلام سودی بینکاری اور جوئے پر مبنی سٹاک ایکسچینج کی نفی کرتا ہے۔

6۔سیاسی نظام: قرآن حکیم میں ارشاد ہے:"إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ"(یوسف:40) حاکم تو بس وہی اللہ کی ذات ہے۔اسلام کا تصور حاکمیت بتاتا ہے کہ حاکمیت صرف اللہ کی ہے۔اور زمین پر اللہ نے انسان کو اپنا نائب یا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے۔انسانوں کے اختیار کے حوالے سے اسلام خلافت کا تصور دیتا ہے۔یعنی قانون ودستور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا اور اس کی تنفیذ انسان کے ذریعے ہوگی۔گویا یہ تفویض کردہ اختیارات(Dedicated Powers) ہوں گے نہ کہ ذاتی یا شخصی اور گروہی۔

اس دعویٰ کے ساتھ کہ اللہ ہی رب، معبود، خالق، شارع، مالک اور حاکم ہے۔یہی توحید عملی کہلاتی ہے۔جبکہ اللہ تعالیٰ کو رب اور یکتا ماننا توحید نظری ہے۔اللہ تعالیٰ کو"کماھو باسمائہ وصفاتہ "کی عملی شرط کے ساتھ ماننا توحید عملی ہے۔یعنی فرد ہو یا اجتماعیت معاشرہ ہو یا سیاست واقتصادیات زندگی کے ہر

گوشے میں اللہ تعالیٰ کی غیر مشروط اطاعت کا نام "دین اسلام" ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی صفات کسی درجے میں بھی غیر اللہ میں تسلیم کی جائیں تو یہی شرک ہے۔ اور شرک واحد گناہ ہے جو بخشا نہیں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:"ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ"۔ (النساء:116)

اسی بات کو اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے کہ ایک ہی وطن میں اگرچہ مختلف مذاہب کے ماننے والے رہتے ہوں لیکن سب کے سب اختلاف مذاہب کے باوجود معاشی اور سیاسی سطح پر ایک ہی رویہ اختیار کرلیں یعنی کثرت رائے یا معروف جمہوری طریقے سے کوئی اجتماعی رویہ اختیار کرلیں جو کہ بہر حال آسمانی ہدایت اور نبوی فراست سے دور کا بھی تعلق اور واسطہ نہ رکھتا ہو یہی "سیکولرازم" ہے جس کا کہنا ہے:

"Religion is the Private affair of an individual" یعنی مذہب فرد کا انفرادی معاملہ ہے اور اجتماعی معاملات میں کسی آسمانی ہدایت 'نبوی تعلیمات یا مذہبی تصورات کا کوئی عمل دخل نہیں اسے عرف عام میں اس طرح بھی کہتے ہیں "وطن سب کا مذہب اپنا اپنا اور سیاست ومعیشت کا کوئی مذہب نہیں"۔

گویا دین الجمہور ہو یعنی سیکولرازم، یا دین اللہ یہ اپنا غلبہ چاہتے ہیں۔ نظریات جغرافیائی سرحدوں سے نکل کر اطراف واکناف میں پھیل جاتے ہیں یہ روکے نہیں جاسکتے۔ یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کون سے نظریات عملاً قائم اور نافذ ہیں اور کون سے پامال؟

اسلام کا دعوی کرنے والوں سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا مطالبہ ہے:''**يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ**'' (البقرۃ:208)

اے ایمان والوں پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:'' **وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ** '' (آل عمران:85)

اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا طلب گار ہو گا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا آدمی آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو گا۔

اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ مزید فرماتے ہیں''**أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا**'' (البقرۃ :85)

تو کیا تم کتاب وشریعت کے کچھ احکامات کو تو مانتے ہو اور کچھ کا انکار کر دیتے ہو تو تم میں سے جو ایسی روش پر چلے تو اس کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں رسوائی اسکا مقدر ہو۔

عالم واقع ہماری اس رسوائی اور مسکنت پر گواہ اور ناطق ہے۔ آج دنیا کی آبادی کا چوتھا حصہ ہونے، دنیا کا زرخیز علاقہ رکھنے اور بہترین افرادی قوت کے باوجود خون مسلم کی ارزانی اور اس کے وسائل کی لوٹ مار "الا خزی فی الحیوۃ الدنیا" کی ربانی سنت کے حرکت میں آنے کی مظہر ہے۔"ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلاً"۔

سیکولرازم میں عوام کی کثرت رائے سے اجتماعی معاملات طے ہوتے ہیں۔ سیکولرازم تاریخ انسانی میں بنی نوع انسان کی اللہ تعالیٰ سے کھلی بغاوت ہے۔ کیونکہ سیکولرازم میں انسان کی انفرادی زندگی کے لیے کوئی راہنمائی نہیں۔ اسی لیے سیکولرازم تمام مذاہب کی تعلیمات کو مانتا بھی ہے اور بظاہر احترام بھی کرتا ہے۔ وائٹ ہاؤس میں سالانہ افطار ڈنر اور عید مبارک اسی کا مظہر ہیں۔

یہ بھی امر مسلم ہے کہ نظام کوئی بھی ہو اگر اس کی باگ ڈور خائن اور کرپٹ افراد کے ہاتھ میں ہو تو وہ نظام نہیں چل سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر سیکولرازم مذہبی اخلاقی تعلیمات کو نہ مانے تو قابل اور دیانت دار واہل افراد سے محروم ہو جائے۔ اور بالآخر اپنے وجود سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ لہذا سیکولر نظام کو ہمیشہ کسی نہ کسی عقیدے اور مذہب کے سہارے کی ضرورت رہتی ہے۔

اجتماعی معاملات اور سماجی نظام میں سیکولر نظام کی بنیادی تعلیمات مکمل آزادی کے عنوان سے ہیں۔ اس کا مطلب ہے جیسے چاہو زندگی گزارو۔ It is our life ,it is our choice اس کا سب سے پہلا ہدف معاشرتی عدم استحکام پر منتج ہوا۔ اور رشتہ ازدواج بے معنی ہو کر رہ گیا۔

پورا مغرب اس عذاب میں مبتلا ہے۔ امریکہ میں شادیوں کا تناسب 26 فی صد رہ گیا ہے۔ Single parent اور Unwed marriage کا تصور عام ہے ۔ ولدیت کے خانے میں صرف ماں کا نام لکھا جانا اس آزادی یا Freedom کا نتیجہ ہے ۔معاشرے کی بنیادی اکائی "خاندان" بکھر کر رہ گئی ہے۔

مسلم معاشرے پر سیکولرازم کے اثرات:

مسلم معاشرے پر سیکولرازم کے اثرات کا جائزہ دو پہلوؤں پر مشتمل ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مسلمان غیر ممالک میں اقلیت کی حیثیت سے مستقل یا عارضی طور پر بھی مقیم ہیں اور اس پہلو سے اس کی تقسیم مثبت اثرات اور منفی اثرات کے ذیل میں ہو سکتی ہے اور یہی عدل کا تقاضا ہے۔

سیکولرازم کے مثبت اثرات:

مذہبی آزادی: جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ بعض خطوں میں مسلمان عارضی طور پر روزگار یا تعلیم کے لئے مقیم ہیں اور بعض غیر مسلم ممالک میں اقلیت کے طور مقیم ہیں۔ ایسے حالات میں سیکولرازم ہی ان کے لئے ڈھال ہے اور وہ اپنے عقائد اور عبادات، رسومات اور کسی حد تک عائلی معاملات اسلام کے مطابق نبٹا لیتے ہیں۔

آزادئ افکار: آزادئ افکار یا لبرل ازم جو کہ سیکولرازم ہی کا ایک نعرہ ہے، کی بدولت دیار غیر میں اسلامی تعلیمات کی دعوت و تبلیغ اور نشر و اشاعت کا سلسلہ ممکن ہے اور نظریات کا تبادلہ و مکالمہ جاری رہ سکتا ہے۔

سیکولرازم کے منفی اثرات:

مذہب اور دین دونوں عربی زبان سے ماخوذ ہیں۔ لیکن دونوں کے معنی اور مفہوم میں بہت بڑا فرق ہے۔ کسی بھی زبان میں جب کوئی لفظ کسی دوسری زبان سے مستعار لیا جاتا ہے اور اسی طرح اردو میں بھی تو اس کے لغوی اور اصطلاحی معنوں میں کسی حد تک تبدل یا اختصار ہو جاتا ہے۔

مثلاً: جاہل عربی میں اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی بات پر شدت سے ڈٹ جائے۔ جبکہ اردو میں اس سے ان پڑھ، بے خبر، بے علم اور ناواقف مراد لیا جاتا ہے۔ جبکہ عربی میں ان پڑھ کے لیے "اُمّی" کا لفظ مستعمل ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اردو زبان میں جب عربی کا کوئی لفظ آتا ہے تو اس کے مخصوص معنی بھی اردو دان طبقہ کے ہاں استعمال سے وجود میں آتے ہیں۔

مذہب عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے عام طور پر معانی عقائد اور رسومات ہوتے ہیں۔ مذہب کا مادہ "ذ، ھ، ب" ہے۔ اور اس کے معنی ہیں چلنا، چنانچہ مذہب کے معنی ہوں گے۔ گزر گاہ، راستہ، پناہ گاہ، طریقہ روش اور اعتقاد۔ اسی طرح انگریزی زبان میں جو لفظ مذہب کے مترادف کے طور پر بولا جاتا ہے۔ یعنی Religion۔ اس کے معنی یہ ہیں: values، dogma faith اور belief۔

مذہب جس معنی میں ہمارے یہاں استعمال ہوتا ہے یعنی Religion عقائد۔ قرآن حکیم میں ان معانی میں استعمال نہیں ہوا۔ قرآن حکیم میں سورت النازعات میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا مکالمہ مذکور ہے:

" **اذْهَبْ إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى** " -(النازعات :17) تم فرعون کے راستے جاؤ کہ وہ سرکشی مچا رہا ہے۔ گویا مذہب سے راستہ مراد لیا گیا ہے۔

اگرچہ اسلامی لٹریچر میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے مگر یہ اسلام کے لیے نہیں بلکہ فقہ اسلامی کے مختلف مسالک کے لیے آیا ہے۔ جیسے "مذہب مالکی مذہب حنبلی مذہب شافعی اور مذہب حنفی وغیرہ۔ اور ان مذاہب میں صرف نماز، روزہ، حج اور زکوۃ ہی نہیں بلکہ معاشرے و معیشت اور سیاست و ریاست کے تمام مسائل جیسے نکاح و طلاق، دیوانی اور فوجداری قوانین کے علاوہ جہاد اور قتال کے جملہ مسائل بھی زیر بحث لائے گئے ہیں۔

انسانی زندگی کو آج کی Political Science دو حصوں میں تقسیم کرتی ہے۔ **(1) انفرادی زندگی (2) اجتماعی زندگی**

(1) انفرادی زندگی: اس کو مزید تین گوشوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ (1) عقیدہ (2) عبادات (3) رسومات

(i) عقیدہ۔ ہر شخص کا انفرادی زندگی گزارنے کے لیے کوئی نہ کوئی عقیدہ، dogma یا faith ہوتا ہے۔

مسلمان ایک الہ کو مانتے ہیں، عیسائی تین خداؤں یعنی تثلیث کو مانتے ہیں، ہندو کئی خداؤں کو مانتے ہیں اور ایسے لوگ بھی ہیں جو کسی خدا کو نہیں مانتے ہیں۔ وہ Atheist کہلاتے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا خود کار انداز میں چل رہی ہے اور یہ وسیع الجہت نظام زندگی بغیر کسی خالق کے ایک حادثے سے وجود میں آ گیا تھا اور اتفاق سے چل رہا ہے۔ ان کی فکر کا نچوڑ ہے۔ "The nature is perfect"

جس نظریئے کو یقین کی آخری حد تک مان لیا جائے وہ عقیدہ کہلاتا ہے۔

(ii) عبادات: ہر شخص کی عبادات اس کے عقیدے کی مظہر ہوتی ہیں۔ اللہ کے ماننے والے نماز کے لیے مسجد کا رخ کرتے ہیں۔ اور جو کئی خداؤں کو مانتا ہے وہ مندر چلا جاتا ہے اور جو کسی خدا کو نہیں مانتا وہ زمینی خداؤں یعنی مادہ پرستی میں الجھ جاتا ہے۔

(iii) رسومات: ان ہی عبادات سے رسومات جنم لیتی ہیں، چنانچہ کرہ ارض پر جہاں جیسی عبادات ہوں گی وہاں ویسی ہی رسومات ہوں گی۔

مسلمان معاشرے میں بچے کی پیدائش پر اس کے کان میں اذان دی جاتی ہے، عقیقہ کیا جاتا ہے اور ختنہ کیے جاتے ہیں۔ جبکہ عیسائی دنیا میں بچے کو بپتسمہ دیا جاتا ہے۔

اسی طرح شادی بیاہ کی رسومات ہر سماج کے عقیدے کی عکاس ہیں۔ مثلاً مسلمانوں کے ہاں نکاح، ہندوؤں کے ہاں سات چکر اور عیسائیوں کا چرچ میں پادری کے سامنے حلف اٹھانا اپنے اپنے عقیدے کا عکاس (Reflection) ہے۔ بعینہ وفات کا معاملہ ہے۔ مسلمان غسل اور کفنانے کے بعد قبرستان میں مردوں کو دفن کرتے ہیں۔ ہندو اپنے مردے جلاڈالتے ہیں اور راکھ دریابرد کرتے ہیں۔ یہ تینوں پہلو انسانی زندگی کے انفرادی گوشے سے متعلق ہیں۔

(2) اجتماعی زندگی: اسے بھی تین گوشوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ **(1) سماجی یا معاشرتی نظام (2) اقتصادی یا معاشی نظام (3) سیاسی یا حکومتی نظام**

(i) سماجی یا معاشرتی نظام: ایک مرد اور عورت کے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے سے سماجی نظام وجود میں آتا ہے۔ اور اس طرح یہ اجتماعیت انسانیہ کی جانب پہلا قدم ہوتا ہے۔ یعنی معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ ہر معاشرہ کی اخلاقی اقدار اور رہن سہن کے طریقے جدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ بلاد اسلامیہ خصوصاً مشرقی ممالک اور یورپ کی اقدار بالکل مختلف ہیں۔

(ii) معاشی نظام: کسی بھی معاشرے کے افراد کا ایک دوسرے سے ربط وضبط اور لین دین فطری عمل ہے اور اسی سے معاملات کا ظہور ہوتا ہے اور اسی سے انسانی زندگی کا دوسرا گوشہ وجود میں آتا ہے جو معاشی یا اقتصادی نظام کہلاتا ہے۔

یعنی آمدنی کے کون سے ذرائع جائز ہوں گے اور کون سے ناجائز؟ مثلاً چوری سمگلنگ، منشیات، جسم فروشی، سود، لاٹری، سٹاک ایکسچینج وغیرہ

(iii) سیاسی نظام: اجتماعی زندگی کا یہ بلند تر گوشہ معاملات کے اختیار سے بحث کرتا ہے۔ غاروں میں رہنے والا انسان اپنی غار کا بادشاہ ہوتا تھا۔ اس کا اپنا قانون ہوتا تھا اور وہ عمل میں اپنے قانون کا پابند ہوتا تھا۔ اپنی حکومت کا حاکم بھی آپ اور رعایا بھی خود۔ اسی انسان کو تمدنی ضروریات آبادی کی طرف لے آئیں تو وہ مل جل کر رہنے لگا۔ قبیلے وجود میں آئے اور ان کا نظام سنبھالنے کے لیے سردار وجود میں لائے گئے۔ چند قبیلوں کے مل کر رہنے سے ایک نظام کا تصور وجود میں آیا۔ اور اختیارات طے کرنا ضروری ہو گیا کہ کس کی بات کہاں کس کی بات کہاں تک مانی جائے؟ اس بحث کا نکتہ عروج اور چوٹی اور Climax کا نام ہے سیاسی نظام۔

جو فکر یا نظریہ زندگی کے انفرادی گوشوں پر رہنمائی کرتا ہے اس کو مذہب کہتے ہیں اور زندگی کے اجتماعی گوشوں پر جو تعلیمات مبنی ہوتی ہیں انہیں نظام کہا جاتا ہے، دین یا System کہا جاتا ہے اور جو تعلیمات انفرادی زندگی اور اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں میں رہنمائی دیتی ہیں انہیں کامل دین یا Perfect System کہا جاتا ہے۔

چنانچہ موجودہ حالات کے تناظر میں یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ کیا اسلام کامل دین ہے؟

لیکن اس سے قبل کہ ہم دین اسلام کو سمجھیں، یہ بات سمجھنا ناگزیر ہے کہ ہم کس دین یا نظام کے تحت اپنی زندگی گزار رہے ہیں؟ کس نظام کو عملاً مان رہے ہیں اور کس دین کے عملاً پیروکار ہیں؟

کمیونزم (Communism):

کارل مارکس کو اس نظام کا بانی کہا جاتا ہے۔اس کا نعرہ تھا: دنیا کے مزدور و متحد ہو جاؤ۔ Right of ownership is restricted and limited.

محدود حق ملکیت اس کا قانون ہے۔اس کے مطابق کھیت، دوکان، فیکٹری یا جائداد نہیں بناسکتے بلکہ یہ ریاست کی ملکیت ہو گی۔ جبکہ ضروریات زندگی یعنی غذا، کپڑے، سواری فرنیچر وغیرہ خریدا جاسکتا ہے۔

کمیونزم بھی انسانی فطرت کے بے شمار گوشوں میں انتہائی راہنمائی نہیں دیتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ یہ صدی کمیونزم کے زوال کی صدی ہے جبکہ یہی، پچھلی صدی کا پسندیدہ نظام تھا جیسا کہ آج جمہوریت کے گن گائے جاتے ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام(Capitalism):

یہ لوگوں کو مکمل تصور ملکیت یعنی Absolute ownership کا تصور دیتا ہے۔ یہ سطحی طور پر تو بڑا خوشنما لگتا ہے مگر اس میں بڑی قباحتیں ہیں۔ جب کوئی دعویٰ کرتا ہے کہ میں مالک ہوں، میرا مال ہے، میں نے کمایا ہے، محنت کی ہے اور راتوں کو جاگا ہوں۔اس لیے یہ میرا رزق ہے کیونکہ اس کے پیچھے میری قابلیت وصلاحیت کار فرما ہے۔ جو چاہوں کروں مجھے میرے مال میں تصرف کا حق حاصل ہے۔ چاہے اپنی ضرورت سے بڑھ کر سہولیات زندگی حاصل کروں اور رکھوں۔ اس تصور ملکیت سے اسراف پیدا ہوتا ہے۔ اور بے جا خرچ کرنا معیار زندگی بن جاتا ہے۔ بڑی گاڑیاں اور بنگلے اور چند لوگوں کے کھانے پر ہزاروں روپے کی ادائیگی اور اسی طرح شادی بیاہ میں کروڑوں روپئے کا اسراف اور بے جا دکھاوا ہوتا ہے۔ طرح طرح کی آسائشیں اور لوازمات مہیا ہوتے ہیں۔ اور غریب حسرت بھری نگاہوں سے اس عدم توازن اور تفریق کو دیکھتے ہیں۔ اور ان کے دلوں میں امراء کے حوالے سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ معاشرے میں محرومیاں جنم لیتی ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام میں غریب غریب تر ہوتا جاتا ہے اور امیر امیر تر۔ اور اس سے طبقاتی جنگ کا آغاز ہوتا ہے۔ دولت کے حصول کے لیے جائز و ناجائز کی تمیز ختم ہو جاتی ہے نتیجتہً معاشرہ انتقامی رویوں پر زندگی گذارنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

معاشی اعتبار سے اعلیٰ، متوسط اور غریب طبقہ کی تقسیم در آتی ہے، امیر غریب کی پہچان معیار زندگی کے نمونے پر کی جاتی ہے۔

"سرمایہ داری زراندوزی کا نام ہے اور دولت چند لوگوں کے ہاتھوں میں گردش کرتی ہے۔ اس معاشی یا اقتصادی تقسیم کو سرمایہ دارانہ نظام سہارتا ہے اور سرمایہ دارارنہ نظام کو دو چیزیں سہارا دیتی ہیں۔"

(1) سود پر مبنی بنکاری، (2) سٹاک ایکسچینج

(i) ہم اپنا سرمایہ بنک میں رکھتے ہیں اور اگر ہمیں قرض چاہیئے تو اس میں ہمیں محدود سا قرضہ ملتا ہے اور وہ بھی سود پر۔ جبکہ اس کے مقابل بڑے بڑے قرضے سرمایہ داروں کو ملیں گے۔ اسی سے زراندوزی جنم لیتی ہے۔ اور عوام کی دولت ہوتی ہے جو کہ بینکوں میں رکھی ہوتی ہے۔ یعنی عوام کا سرمایہ اور فائدہ فرد واحد کو۔

(ii) سٹاک ایکسچینج جوئے کے نظام پر مبنی ہے اور یہ سرمایہ دارانہ نظام کو سہارتا ہے اور جوئے کا فلسفہ یہ ہوتا ہے کہ سب کا نقصان اور ایک کا فائدہ یعنی ارتکاز دولت یا

Concentration of Wealth

سرمایہ دارانہ نظام ان ہی دوستونوں پر کھڑا ہے اور ساری دنیا اس کے زیر نگیں ہے۔ اور یہ کسی خاص طبقے کو ہی ہدف نہیں بناتا بلکہ پوری دنیا اس کی لپیٹ میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آئی ایم ایف یا عالمی بنک کے اجلاسوں کے دوران مقامی لوگ سراپا احتجاج ہوتے ہیں اور Occupy Wall Street Movementخود امریکہ میں شروع ہوتی ہے۔

سیاسی نظام(Political System):

بابائے جمہوریت یعنی سولھویں امریکی صدر ابراھام لنکن کا قول ہے:" Of the people , by the people and for the people"

یعنی جمہوریت اور یہی آج کا سیاسی نظام ہے۔یعنی اکثریت جس طرف ہو گی وہ قانون بن جائے گا۔ بالفاظ دیگر لوگوں کی اطاعت کی جائے گی۔

1935-36 میں امریکہ میں شراب نوشی بہت بڑھ گئی تھی اور جرائم میں اضافہ ہو گیا تھا تو لوگوں نے اس کے نقصانات سے بچنے کے لئے اس پر پابندی لگادی۔ اس پابندی کے ساتھ ہی زیرِ زمین مافیا حرکت میں آگیا اور شراب اور دیگر ممنوعہ اشیاء کا کاروبار بامِ عروج پر پہنچ گیا۔ شراب کی ایک بیماری کو روکنے پر سینکڑوں جرائم نے معاشرے کو جکڑ لیا۔ جب صورتحال لوگوں کے سامنے آئی تو صرف 8 سال بعد حکومت نے بذریعہ ووٹ دوبارہ شراب کو جائز قرار دے دیا۔ المختصر یہ کہ لوگوں کے اختیار میں ہے کہ جب چاہیں اور جسے چاہیں حلال ٹھہرالیں اور جب چاہیں حرام ٹھہرالیں۔ یہ ہے لوگوں کی حکومت، لوگوں

کے ذریعے اور لوگوں کے لئے یعنی جمہوریت۔ گویا کل تک جو دعویٰ حاکمیت کسی ایک فرعون نے کیا تھا یعنی حاکمیت مطلقہ۔ تو آج نوع انسانی اجتماعی طور پر اس کی

داعی ہے۔ اور یہی آج کے دور کا سب سے بڑا شرک ہے۔ گویا آج کی دنیا کا سیاسی نظام جمہوریت اقتصادی نظام سرمایہ دارانہ نظام اور معاشرتی نظام مطلق آزادی پر

مبنی ہے۔ یہی وہ نظام اور دین اورSystem ہے جس کے زیر سایہ ہم زندگی گزارتے ہیں۔ اسے مانتے بھی ہیں اور اسی کے دلدادہ بھی ہیں۔

اسلام اور سیکولرازم:

دنیا کو ہے پھر معرکہ روح بدن پیش

تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا

اسلام میں سیکولرازم کی گنجائش ہے؟ نہیں ہے؟

سیکولرازم اسلام کے لیے خطرہ نہیں، اس کی اصل جنگ اسلام کے خلاف ہے۔ یہ اور اس طرح کے متضاد بیانات ایک عام سوچنے سمجھنے والے مسلمان کو اکثر پریشان کرتے رہتے ہیں۔ آیئے قدرے تفصیل کے ساتھ اسلام اور سیکولرازم کا تجزیہ کر کے حقیقت حال معلوم کرنے کی کوشش کریں۔

اسلام عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی "سپردگی"(Submission)اور ہمارے دین کی حیثیت سے اس کا مطلب

اپنے عقائد و نظریات، اپنی عبادات(All modes of worship)اور اپنی رسومات (پیدائش، شادی اور موت کے مواقع پر کیے جانے والے افعال) نیز اپنی معاشرت، اپنی معیشت اور اپنی سیاست تک کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے تحت اور رسول اللہ ﷺ کی سنت و سیرت کے تابع کرنا ہے۔

دین: قرآن مجید اور ارشادات نبوی ﷺ میں اسلام کو ایک دین یعنی طرز زندگی(Way of life)قرار دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:"**إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ**"(آل عمران :19)

اس کے علاوہ قرآن مجید میں "دین"کا لفظ درج ذیل معانی میں بھی استعمال ہوا ہے۔

1۔بدلہ: جیسے سورۃ الفاتحہ میں فرمایا"**مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ**"

2۔لین دین: جیسے سورۃ البقرۃ میں فعل کی شکل میں آیا۔" **تَدَايَنْتُمْ**"

3۔راستہ: جیسے سورۃ الکافرون میں آیا"**لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ**"

4۔قانون: جیسے سورۃ یوسف میں" **كَذَلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ**"آیا ہے۔

4۔مذہب: مذہب کا لفظ قرآن مجید میں کہیں استعمال نہیں ہوا اور ہمارے مطالعہ کی حد تک حدیث رسول اللہ ﷺ میں بھی یہ لفظ موجود نہیں ہے۔ اگرچہ اسلامی لٹریچر میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے، مگر یہ اسلام کے لیے نہیں بلکہ فقہ اسلامی کے مختلف مسالک کے لیے آیا ہے جیسے "مذہب مالکی مذہب حنبلی مذہب شافعی اور مذہب حنفی وغیرہ (لیکن یاد رہے کہ ان مذاہب میں صرف نماز، روزہ، حج اور زکوۃ ہی نہیں بلکہ معاشرت، معیشت اور ریاست کے تمام مسائل جیسے نکاح و طلاق، دیوانی اور فوجداری قوانین کے علاوہ جہاد اور قتال کے جملہ مسائل بھی زیر بحث لائے گئے ہیں)۔

Religion: اس کا عموماً ترجمہ مذہب سے کیا جاتا ہے اور اس کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے۔

“Belief in the existence of a super natural ruling Power ,The creator and controller of the universe, Who has given man a spiritual nature, which continues to exist after death Of the body, course of action or a practice regarded as the ruling passion of one’s life .”Oxford,1960

"اس کائنات کو پیدا کرنے اور اس کو کنٹرول کرنے والی ایک مافوق الفطرت قوت قاہرہ کی موجودگی کو تسلیم کرنا جس نے انسان کو ایک ایسا روحانی وجود بخشا ہے جو اس کی (جسمانی) موت کے بعد بھی زندہ رہتا ہے، ایک ایسا لائحہ عمل جسے کسی فرد کی زندگی کا فیصلہ کن جذبہ قرار دیا جا سکے۔"

"Particular system of faith and worship based on religious belief ,Controlling influence of one’s life"

"مذہبی عقیدے پر مبنی عقائد و عبادات کا ایک نظام، کسی شخص کی زندگی کو کنٹرول کرنے والا اثر"

دلچسپ بات یہ ہے کہ "Religion"کی تعریف میں سے رفتہ رفتہ "دین" کے وسیع تر مفہوم کا نکالا جانا تو اظہر من الشمس ہے ہی لیکن یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اس کی ابتدائی تعریف میں بھی صرف ایک مافوق الفطرت "قوۃ قاہرہ،"کو ماننے کا ذکر ہے جو "اللہ" بھی ہو سکتا ہے اور ایک اندھی بہری قوت "nature"

بھی۔ گویا اللہ تعالیٰ کی ہستی کا as a personified being اقرار تو اول روز سے religion کی تعریف میں شامل نہیں ہے جبکہ اللہ ربُّ العزت کے وجود اور اس کو کائنات اور خود اپنا "رب"(lord) ماننا اسلام کا بنیادی نظریہ ہے۔

سیکولرازم (Secularism): سیکولرازم انگریزی زبان کا لفظ ہے جو دو الفاظ کا مرکب ہے ایک secular (سیکولر) اور دوسرا (ازم)۔ انگریزی زبان میں secular کے معنی ہیں worldly not spiritual (یعنی دنیاوی، روحانی نہیں)، not releated to religion (مذہب سے متعلق نہیں)۔ اس کے برعکس secularism کی تعریف آکسفورڈ ڈکشنری کے 1995 کے ایڈیشن میں کچھ یوں ہے:

Belief that laws & education should be based on facts & science etc. rather than religion.

"یہ ماننا کہ قوانین اور تعلیم کی بنیاد مذہب کی بجائے حقائق اور سائنس پر ہونی چاہئے۔"

جب کہ سائنس حقائق صرف انہی ہی کو مانتی ہے جن کا وجود "حواس خمسہ" سے محسوس کیا جاسکے یعنی آنکھ سے دکھائی دے، کان سے سنا جائے، زبان سے چکھا جائے، ناک سے سونگھا جائے یا ہاتھ سے چھوا جائے۔ یا کم از کم ان حواس کے ذریعے اس کی تصدیق ہو مثلاً Electromagnetic waves ان کا وجود ٹیلی ویژن آن کر کے یا فون کال ملا کر کنفرم کیا جا سکتا ہے۔

لفظ سیکولر بطور صفت (Adjective):

عام استعمال میں جب لفظ "سیکولر" کسی اور لفظ کا سابقہ بن کر آتا ہے تو سیکولرازم سے ہی اسم صفت ہوتا ہے۔ جیسے Secular World (اس سے مراد دنیا کے وہ حصے ہیں جو سیکولرازم کے نظریات رکھتے ہیں اور اس کے مطابق عملی زندگی گزارتے ہیں)

سیکولر نظریات، سیکولر ذہنیت اور سیکولر لوگ وغیرہ۔ سیکولرازم اور سیکولر نظریات وقتاً فوقتاً مختلف ناموں اور خوشنما عنوانات کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں۔ مثلاً اعتدال پسندی، ترقی پسندی اور روشن خیالی۔ ان الفاظ کو کبھی اسلام کا سابقہ بنا کر استعمال کیا جاتا ہے مثلاً ترقی پسند اسلام، روشن خیال اسلام وغیرہ۔ دوسری جانب دین و مذہب کے بنیادی نظریات کو شعوری طور پر اختیار کرنیوالوں اور ان کی پاسداری کرنیوالوں کو "قدامت پسند"، "انتہا پسند" اور "بنیاد پرست" کے القابات سے پکارا جاتا ہے۔

مذہب اور ریاست کی علیٰحدگی:

سیکولرازم اگرچہ عام طور پر "مذہبی اور سیاسی امور کو علیٰحدہ علیٰحدہ رکھنے" کے حوالے سے معروف ہے مگر اس کی اصل تعریف کو مدنظر رکھیں، تو یہ ملمع کاری نظر آتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سیکولرازم مذہب یعنی Religion کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتا کیونکہ مذہب کی بنیاد ایک مافوق الفطرت طاقت کے وجود کو تسلیم کرنا ہے، جب کہ سیکولرازم کسی بھی Super Natural طاقت، چیز یا ہستی کا قائل ہی نہیں۔ لہذا سیکولرازم بظاہر تو عوام الناس کے مذہبی معاملات

میں اس بات کے پس منظر میں "کہ مذہب کسی بھی فرد کا ذاتی معاملہ ہے "مداخلت نہیں کرتا۔ اس کے متوازی سیکولرازم، نظام تعلیم کی بنیاد " Facts And Science"پر رکھ کر نہ صرف مذہبی تعلیم کو نصاب سے خارج کر دیتا ہے بلکہ اپنے دیئے ہوئے نظام تعلیم کے ذریعے سے وہ کسی کو اس قابل ہی نہیں چھوڑتا کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر ایمان رکھے۔ جبکہ یہ حقیقت ہے کہ دیگر مذہبی تصورات تو ایمان باللہ ہی کے تابع ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کچھ لوگ علی الاعلان اللہ کا انکار کرتے ہیں اور بعض ڈھکے چھپے الفاظ میں۔ جبکہ کوئی من چلا فخریہ انداز میں اس طرح گویا ہوتا ہے: " I was born with no religion"جبکہ کسی کی "دانشوری "یوں پھوٹتی ہے "Religion is the opium of masses"۔ اسی حقیقت کو علامہ اقبالؒ نے یوں بیان فرمایا:

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

جبکہ یہی بات اکبر الہ آبادی مرحوم نے یوں کہی:

یوں قتل سے لڑکوں کے وہ بدنام نہ ہوتا افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

دوسری جانب قرآن مجید نے اپنے آغاز میں ہی یہ بات دوٹوک کہہ دی ہے کہ میں ان اللہ کا خوف رکھنے والوں کے لیے ہدایت اور رہنمائی ہوں جو غیب (Un- seen) پر ایمان رکھتے ہیں۔ ادھر سیکولرازم کے بنائے ہوئے نظام تعلیم میں کوئی آدمی پڑھ کر غیب (Un- seen) کے حقائق کو ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتا اور وہ مذہبی حقائق جیسے وجود باری تعالیٰ، آخرت کے وقوع، وحی کی صداقت اور رسالت پر یقین ہی نہیں رکھتا۔ خواہ وہ الفاظ میں ان حقائق کا انکار نہ بھی کرے۔ مزید برآں اپنے خاندان کی روایات کی بنیاد پر مذہبی عبادات اور رسومات پر عمل پیرا بھی ہو، تب بھی اس کے دل میں ان کی حقیقت ثقافتی روایات اور مفروضوں سے زیادہ نہیں ہوتی، اس لیے کہ اس کا اصل "ایمان "تو "Facts and Science"پر ہوتا ہے۔ اور جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وجود کا ہی یقین نہ ہو تو اللہ کا "خوف کیسا"!؟۔

دین اسلام میں اللہ پر ایمان کی اصل حقیقت:

یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بہت سی حیثیتیں اور صفات ہیں جیسے خالق، الہٰ اور رازق اور رب۔ ان میں سے بعض حیثیتوں میں مشرکین حجاز قرآن حکیم کے نزول سے پہلے بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو مانتے تھے اور خالق اور رازق کے نقطہ نظر سے توحید کے قائل تھے جبکہ الہٰ ہونے کے اعتبار سے شرک کی روش پر تھے۔ جبکہ یہی لوگ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اپنا مالک ومختار اور ربّ (Lord) ماننے پر کسی صورت تیار نہ تھے۔ اس لئے کہ ان کے سردار اور آقا اپنے لیے "ربّ "کا لقب اختیار کرتے تھے اور اپنے غلاموں کے لیے "عبد "کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ اور عالم عرب میں ان ہی معنوں میں آج بھی یہ الفاظ آقا وغلام کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔

یہ بڑی دلچسپ حقیقت ہے کہ قرآن مجید کے اولین مخاطب، قریش مکہ اللہ تعالیٰ کو توحید کے ساتھ خالق اور رازق مانتے تھے اس کے باوجود انہیں کافر اور مشرک کہا گیا ہے۔ جبکہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا اصل تعارف اس کا "ربّ "ہونا ہے:

"اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ "پڑھو اپنے اس "ربّ "کے نام سے جس نے پیدا کیا۔

سورۃ الفاتحہ کا اس طرح آغاز ہوتا ہے: "الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ "کل شکر اور کل حمد اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا "ربّ "ہے۔

قریش پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ کو خالق اور رازق مانتے تھے:"وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ (61) اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (62) وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ(63)"(العنکبوت:61-63)

"بیشک اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو یقیناً کہیں گے "اللہ" ہی نے۔

"قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ (31) فَذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ "(سورة یونس :31-32)

"ان سے پوچھیے! تمہیں آسمان وزمین سے رزق کون دیتا ہے اور کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا، اور کون نکالتا ہے مردہ سے زندہ کو اور کون نکالتا ہے زندہ سے مردہ کو، اور کون تدبیر کرتا ہے تمام کاموں کی تو وہ یقیناً کہیں گے "اللہ"۔ تو کہو کہ تم پھر بھی اس سے ڈرتے نہیں۔ وہ اللہ ہی تو تمہارا حقیقی "ربّ" ہے۔

"کچھ ایسا ہی معاملہ سیکولرازم کا بھی ہے کہ نظریاتی سطح پر اور نظام تعلیم کے ذریعے تو وہ اگرچہ ایمان باللہ کی اجازت نہیں دیتا مگر اپنے بنیادی نظریہ کے برعکس زیر اثر عوام الناس کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو ماننے یا نہ ماننے کا کھلا لائسینس دے دیتا ہے اور اس پر بھی کوئی قدغن نہیں لگاتا کہ کوئی ایک الہ کو مانے یا دس کو اور مندر، مسجد یا گرجا میں جیسے چاہے اپنے معبود یا معبودوں کی پرستش (Worship) کرے۔ لیکن سیکولرازم کسی صورت لوگوں کو اللہ کو اپنا رب یا (Lord) ماننے اور اس سے "Dictation" لینے کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ سیکولرازم میں قانون سازی (Law reforming) کی بنیاد صرف حقائق اور سائنس ہوتے ہیں، نہ کہ مذہب۔

آزادی (Freedom):

سیکولرازم کا ایک اہم نعرہ "آزادی" ہے۔ لیکن غور کریں تو خود سیکولرازم دنیا میں ٹریفک تک کے قوانین کی پابندی کی جاتی ہے اور اس کے شہری کونسل، کاؤنٹی، ریاست اور فیڈرل سطح پر قانون کی پابندی کرتے ہوئے، اپنے ملک کے آئین کی بھی پاسداری کرتے ہیں۔ تو پھر یہ کیسی آزادی ہے؟ وہ دراصل "رب العالمین" کی غلامی سے آزادی ہے۔

سیکولرازم اور ایمان بالآخرۃ:

سیکولرازم کی محولہ بالا تعریف کی روشنی میں ایک سیکولر ذہن کے لیے آخرت کو ماننا تو ممکن ہی نہیں ہے۔ نتیجۃً موت وحیات کے اس سلسلے میں اس کے نزدیک اللہ کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ لہذا

اور موت کیا ہے انہی عناصر کا پریشاں ہونا　　　زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب

"مشہور سائنس دان آئن سٹائن اپنے مضمون "World, as I see it" میں لکھتا ہے کہ اس کائنات کا مشاہدہ کرکے گمان ہوتا ہے کہ اس کے پیچھے ایک بڑی قوت کار فرما ہے لیکن ساتھ ہی وہ لکھتا ہے:

"But I cannot conceive of God who, punishes & rewards his creatures"

یاد رہے کہ قریش مکہ کی طرح آج کا سیکولر انسان حتیٰ کہ سیکولر ذہن کا مسلمان بھی نبی اکرم ﷺ کو ایک طرف سچا کہتا ہے لیکن ساتھ ہی حضور ﷺ کے اس بیان کی نفی کرتا ہے کہ "سب انسان موت کے بعد روز قیامت دوبارہ زندہ کئے جائیں گے"۔ قریش کے بارے میں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ آپ کے اعلان نبوت سے پہلے آپ کو سچا مانتے تھے، لیکن بعد میں منکر ہوئے اور کچھ نے آپؐ کو مجنوں اور کچھ دوسروں نے آسیب زدہ کہہ ڈالا۔ سوال یہ ہے کہ کیا مسلمان دانشور بھی محض مشرکین مکہ کی طرح آپؐ کی پاکیزہ ہستی کی قبل از نبوت زندگی کی صداقت کو مانتے ہیں یا دل و جان سے آپ کی رسالت اور آپؐ کی جانب سے دی گئی خبروں کی حقانیت پر یقین رکھتے ہیں۔ مشرکین عرب کو بھی اصل اختلاف آپؐ کی رسالت سے تھا، کیا مسلمان دانشوروں کی بھی مت ماری گئی ہے یا وہ سیکولر خیالات کے ذریعے سادہ لوح مسلمانوں کو بے وقوف بنانا اور انہیں گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔

سیکولر ذہنیت اور وحی:

سیکولر ذہنیت کو وحی خداوندی سے تو ایک طرح کا بیر ہے۔ کسی کلام یا کسی شخص کی تقریر و تحریر کو وہ اس وقت تک اہمیت دیتے ہیں جب تک اس کی نسبت اللہ کی طرف نہ ہو۔ قریش بھی نبی اکرم ﷺ کو ایک شاعر (یعنی شعور والا / دانشور) ماننے کو تیار تھے بشرطیکہ وہ قرآن مجید کی نسبت اللہ کی طرف کرنا چھوڑ دیں اور اس کو اپنی "تخلیقی کاوش" قرار دیں۔ ہمارے ملک کے ایک بہت بڑے دانشور نے علامہ اقبالؒ کے بارے میں فرمایا: "اقبال کا علم ایک سمندر تھا جو قرآن کے دریا میں غرق ہو گیا" اناللہ وانا الیہ راجعون! ظاہر ہے انہوں نے اقبال کو ابتداءً علم و دانش کا سمندر اسی وقت تسلیم کیا جب تک انھوں نے قرآن کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے تھے۔ اسی طرح ہمارے "ارباب ذوق" اور دانشور حلقوں نے دیندار اہل قلم کو کبھی گھاس نہیں ڈالی۔ اس معاملے میں ان کو قصوردار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ کیونکہ سیکولر نظریات کو ماننے کا یہ ایک منطقی تقاضا ہے۔

سیکولر ذہن اور اللہ کے نبی ﷺ:

انبیاء کرام علیہم السلام بلاشبہ انسان تھے۔ جہاں اس بات کو واضح کرنے سے کہ وہ اللہ کی مخلوق تھے اور ان کا الوہیت میں کوئی حصہ نہیں ہے، نظریہ توحید کو تقویت ملتی ہے۔ وہیں ان کی "بشریت" کا بار بار تذکرہ ان کی توہین کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ اسی طرح جہاں حضور ﷺ کی حیات طیبہ کے بعض معجزاتی پہلوؤں کے بیان سے آپ کے مافوق البشر (Super human) ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ وہیں آپؐ کے اعلیٰ انسانی کردار اور آپؐ کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ اگرچہ اپنی جگہ پسندیدہ ہے۔ لیکن آپؐ کی شخصیت اور مقام کے حوالے سے صرف اسی پہلو پر زور دینا بھی لامحالہ آپؐ کی نبوت و رسالت کو کم از کم "غیر اہم" بنانے کی شعوری کوشش ہو سکتی ہے۔ جیسے آج کل نبی اکرم ﷺ کی سیرت کے بیان میں صرف آپ ﷺ کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ ہوتا ہے اور نصف گھنٹے کے ٹی وی مذاکرے میں آپ ﷺ کی صداقت اور دیانت پر بھی بھرپور گفتگو ہوتی ہے۔ اور آپؐ کے اعلیٰ اخلاق کو بھی خوب خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن آپؐ کی رسالت کو For granted لیتے ہوئے اس کا کوئی تذکرہ ہی نہیں کیا جاتا۔ نتیجۃً آپؐ کی رسالت کے مقابلے میں آپؐ کی بشریت ناظرین کے ذہنوں میں زیادہ اہم کرنے کی کوشش ایسے انداز میں کی جاتی ہے کہ انہیں اس کا احساس بھی نہ ہو۔ یوں حضور ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام غیر شعوری طور پر خود انبیاء کرام کو ماننے والے عام مسلمانوں کے دل و دماغ میں عام انسانوں کی حیثیت سے نمودار ہوتے ہیں۔ جب کہ وہ کسی صورت بھی عام انسان نہیں بلکہ خاص انسان تھے۔ اور ان کے اور عام بنی نوع انسان کے درمیان فرق "نوعیت" کا بھی ہے اور "کمیت" کا بھی۔ انبیاء کرام صرف اعلیٰ انسان ہی نہیں بلکہ "مہبط وحی" بھی تھے۔ انبیاء کے علاوہ دیگر انسانوں میں سے کوئی شخص کتنے ہی اعلیٰ اخلاق اور روحانی مقام پر فائز کیوں نہ ہو اور صاحب کشف و الہام بھی ہو لیکن وہ اللہ کا رسول ہو سکتا ہے اور نہ ہی نبی۔ کیونکہ اس پر وحی نہیں آتی ہے۔

ہمارے معاشرے میں نبی اکرمؐ کے حوالے سے نور و بشر کی بحث ہوتی ہے۔ تو اس میں بھی آپؐ کے رسول ہونے کو بہت کم زیر بحث لایا جاتا ہے۔ جب کہ کچھ عرصہ سے پرنٹ میڈیا کے مضامین و کالمز اور الیکٹرانک اور سوشل میڈیا کے مذاکروں میں آپؐ کی صداقت، دیانت، راست بازی اور اخلاق حسنہ ہی زیر بحث لائے جاتے ہیں۔ اور کار رسالت سے متعلقہ آپؐ کی حیات طیبہ کے گوشے اب خارج از بحث ہو چکے ہیں اور آپ کا رسول ہونا تو پہلے بھی For granted لیا جاتا تھا اور اب بھی آپؐ کے محاسن کا تذکرہ کس مسلمان کو پسند نہ ہو گا۔ لیکن یہ بات بھی حقیقت ہے کہ ایمان بالرسالت کا تقاضا حضور ﷺ کو اللہ کا بندہ اور رسول ماننا ہے۔ کلمہ شہادت کے الفاظ "اشھدان محمد أعبده ورسوله" کہہ کر ہی آپؐ کی رسالت پر ایمان کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ نہ کہ آپؐ کی دیگر صفات والقابات کو اختیار کیا جاتا ہے۔ اسی بات کو تقویت صحابہ کرام اور آپؐ کے اہل بیت کے یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ کہہ کر پکارنے سے، ملتی ہے۔ سیکولر ذہن کے اس محولہ بالا طرز عمل کے نتیجے میں حضور ﷺ کو عام انسانوں کی صف میں لا کھڑا کیا جاتا ہے۔ کیونکہ صداقت و امانت اعلیٰ حیثیت میں نہ سہی کسی درجہ میں عام لوگوں میں بھی مل جاتے ہیں۔ حضور ﷺ کی نمایاں اور امتیازی حیثیت آپؐ کا منصب رسالت ہے۔ یعنی آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور آپؐ کی اطاعت ہر مسلمان پر فرض ہے۔

" وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ" (الحجرات:7)

آج کل کے حالات میں یہ بات غیر محسوس انداز سے نگاہوں سے اوجھل ہو رہی ہے۔

سیکولرازم اور ایمان:

یہ بات اصولی سطح پر مسلمہ ہے کہ اصل اہمیت ایمان کی ہے اور عمل ہمیشہ اس کے تابع ہوتا ہے۔ لیکن اب کچھ عرصہ سے سیکولر سوچ مسلمانوں کے ذہن کو تبدیل کرنے میں کامیاب ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ میڈیا میں یہ سوچ بغیر ایمان کے کردار سازی کی کوشش میں غلطاں نظر آتی ہے اور مختلف شرکائے مذاکرہ "مسلمانوں کی بے عملی" کے تذکرے نفرت بھرے انداز میں جبکہ مقابلۃً کفار کی "اخلاقی برتری" کا تذکرہ تعریفی انداز میں دیانت داری کے تقاضے کے طور پر کرتے ہیں اور یہ بات بھی سننے کو ملتی ہے کہ "آج کے مسلمانوں سے تو کافر اچھے ہیں"۔ یہ اس بات کی نشاندہی ہے کہ اب ہمارے دل میں ایمان کی کوئی اہمیت اور قدر و قیمت باقی نہیں رہی جبکہ حضور ﷺ پر ہمارے ایمان اور وفاداری کا یہ تقاضا ہے کہ ہم حضرت محمد ﷺ کی رسالت کا انکار کرنے والوں کو آپؐ پر ایمان رکھنے والوں سے کسی صورت میں بھی اچھے نہ سمجھیں کیونکہ کفر کے مقابلے میں ایمان اللہ کے ہاں اصل حقیقت اور اہمیت رکھتا ہے۔ اگر کوئی شخص آج حضور ﷺ کو صرف "الصادق" اور "الامین" کی حد تک ہی تسلیم کرتا ہے تو یہی رویہ تو کفار مکہ کا بھی تھا کہ وہ اللہ کو خالق مانتے تھے اور محمد بن عبد اللہ ﷺ کو "الصادق" اور "الامین"، اور وہ (کفار مکہ) آپ ﷺ کو محمد رسول اللہ ﷺ نہیں مانتے تھے۔ آج اس بات کی شدت سے ضرورت ہے کہ مسلمان اس بات پر سنجیدگی سے غور کریں اور پھر جرات ایمانی کے ساتھ اظہار بھی کریں۔ آج سیکولر دنیا کی آرزو ہے کہ مسلمان "ایمان بالرسالت" کی بنیاد پر انہیں کفار نہ گردانیں اور وہ اس میں کامیاب بھی نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دیار مغرب میں آباد بہت سارے مسلمان یہ سمجھنے لگے ہیں کہ یہودی اور عیسائی تو اہل کتاب میں سے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ، انبیاء، کتب، تقدیر اور ملائکہ پر ایمان رکھتے ہیں جب کہ قرآن حکیم ان اہل کتاب کی "تکفیر" ان الفاظ میں کرتا ہے:

" إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ" (البینہ:6)

(بے شک کافر خواہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکین میں سے)

اس کے برعکس غیر مسلم دنیا اور بالخصوص اہل مغرب مسلمانوں کو ہمیشہ حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی ختم نبوت اور تکمیلی رسالت پر ایمان رکھنے کے تناظر میں ان سے دشمنی اور عداوت رکھتے ہیں جیسا کہ:

1۔ ترکوں کے ہاں سیکولرازم کو آئینی، سیاسی، ثقافتی، قومی، فوجی اور سول ہر سطح پر دستور عمل کے طور پر اختیار کر لیا گیا۔ اور یورپ سے بڑھ کر خود کو سیکولر ثابت کر کے دکھا دیا گیا اور

2۔ بوسنیا کے باشندے بھی یورپ سے تعلق رکھتے تھے۔ گورے رنگ کے مالک تھے اور ان کا رہن سہن بھی یورپی ہی تھا۔ لیکن ان کے نام مسلمانوں جیسے تھے۔ اور وہ اسلام کا دعویٰ بھی کرتے تھے۔ اور جناب رسالت مآب صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی رسالت پر ایمان رکھتے تھے اس بنا پر انہیں جو سزا "امن اور آزادی پسند" سیکولر دنیا نے دی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

اب بھی وقت ہے کہ ہم سیکولرازم کو اس کے اصل ایجنڈے کے تناظر میں دیکھیں، سمجھیں اور اپنے کامل دین کو سربلند اور نافذ کرنے کے لیے سنجیدہ کوشش کریں۔ کیونکہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ہم حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کو اللہ کا آخری رسول ماننے کے ساتھ ساتھ، آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی رسالت کا انکار کرنے والوں کے لیے اپنے دل میں کوئی نرم گوشہ رکھیں تو ہم ایمان بالرسالت سے ہی تہی دست ہو جائیں۔

---

1 اسلام اور سیکولرزم ایک موازنہ، صفحہ:۹۵،ڈاکٹر یوسف القرضاوی، مترجم: ساجد الرحمان صدیقی، عالمی ادارہ فکر اسلامی اسلام آباد

2 ڈاکٹر اسرار احمد، اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل اور اس سے انحراف کی راہیں، صفحہ:۴، مرکز تنظیم اسلامی ۶۷۔اے علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور

3 ڈاکٹر اسرار احمد، رسول انقلاب کا طریق انقلاب، صفحہ:۱۰، مرکز تنظیم اسلامی ۶۷۔اے علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور

4 *Webster's New World Dictionary of the American language,Page 1288, David B: Guralnik , Editior in chief The World Publishing Company New York and Cleveland 1968.*

746 Illustrated Oxford University 2003, Oxford University New York[4]

6 مفردات القرآن، امام راغب اصفہانی، ۱/ ۳۵۵۔۳۵۶، طابع شیخ شمس الحق ۲۳۸ کشمیر بلاک، اقبال ٹاؤن لاہور